اعترافِ شکست

محمد سالم جامعی

امریکہ میں ٹریڈ ٹاور پر ۱۱ ستمبر کے حملے کے بعد امریکہ کو یہ موقع مل گیا تھا کہ وہ اسلامی دنیا خاص طور پر افغانستان میں طالبان کے خلاف اپنے عزائم کو بروئے کار لا سکے، ۱۱ ستمبر کے بعد جلد ہی امریکہ اور اس کے حلیفوں نے افغانستان پر حملہ کرتے ہوئے کابل سمیت اس بدنصیب ملک کے مختلف شہروں اور علاقوں کو خاک وخون میں مبتلا کر ڈالا، پہلے ہزاروں ٹن بارود برسایا گیا اور پھر طالبان مخالف افغان گروپوں کو متحد کر کے ان سے طالبان پر حملہ کرایا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ افغانستان میں امریکہ کو جانی نقصان نہ اٹھانا پڑے، مگر اس کی یہ پالیسی ناکام رہی، حالانکہ امریکہ کے اسلحے کے بل پر افغانستان سے طالبان حکومت ختم ہوگئی اور وہ بظاہر بے دست وپا کر دیئے گئے، مگر جیسے ہی وہ سنبھلے، انہوں نے اپنی روایتی گوریلا جنگ شروع کر دی اور جو جہاں ملا، اسے ختم کر ڈالا، یہ صورت حال امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لئے بلاشبہ حیرت ناک تھی، اپنی اس پشیمانی سے خود کو نجات دلانے کے لئے امریکہ اور اس کے حلیف یورپی ملکوں نے افغانستان میں اپنی فوجوں کو اتارنا شروع کر دیا، امریکہ کو امید تھی کہ طالبان فوج اور اس کے اسلحہ وبارود سے خوف زدہ ہو کر روپوش ہو جائیں گے، مگر اس کی یہ محض خوش فہمی تھی، طالبان نے امریکی ویورپی افواج پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا، جو کسی نہ کسی شکل میں تاہنوز جاری ہے، اس دوران متعدد یورپی حلیفوں نے اپنی افواج کو کابل سے یہ کہتے ہوئے واپس بلا لیا کہ اب طالبان حکومت ختم کرنے کا ان کا مقصد پورا ہو گیا ہے اس لئے اب باہر کی فوج کے وہاں قیام کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس وقت افغانستان میں امریکہ اور برطانیہ کی فوجیں باقی ہیں جو طالبان کا شکار بن رہی ہیں اور جن کے مرنے کا اوسط ہر روز ڈیڑھ سپاہی آرہا ہے، یہ دونوں ملک اس صورتحال سے بری طرح پریشان اور خوف زدہ ہیں اور بار بار اعلان کر رہے ہیں کہ وہ جلد ہی افغانستان سے اپنی فوجوں کو واپس بلا رہے ہیں۔

امریکہ اور یورپ کی مسلح افواج کے زیر سایہ اس وقت افغانستان کی زمام اقتدار حامد کرزئی کے ہاتھوں میں ہے جو شروع سے ہی طالبان کے ساتھ گفت وشنید پر زور دے رہے ہیں، انہوں نے ابھی حال ہی میں کابل میں اقوام متحدہ کے ایک وفد سے بات چیت کرتے ہوئے بھی یہ بات بڑے زور دار انداز میں کہی ہے کہ افغانستان میں جنگ ختم کرنے کے لئے اقوام متحدہ کو کوئی نظام الاوقات بنانا چاہئے، کیونکہ جس انداز پر یہ جنگ آج چل رہی ہے، وہ کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہے، وہ اس وقت بھی جاری رہے گی، جب ہم ختم ہو جائیں گے، حامد کرزئی نے ایک سوال یہ بھی اٹھایا ہے جو انتہائی اہم ہے کہ دنیا بھر کے اڑتالیس ملکوں کی بہترین مسلح افواج افغانستان میں ڈیرا جمائے ہوئے ہیں، ان پر ایک بھاری رقم بھی خرچ ہو رہی ہے، مگر اس کے باوجود ملک میں طالبان پھر مضبوط ہو رہے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ جبکہ امریکہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے، تاہم قطر میں طالبان اور امریکہ کے درمیان ہونے والی مسلسل گفتگو، طالبان کا دفتر کھلنے اور بالآخر امریکہ کا گھٹنے ٹیک دینے کے بین السطور میں اس کا جواب صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے، امریکہ اچھی طرح سمجھ چکا ہے کہ اگر اس نے طالبان کو اعتماد میں نہ لیا تو اس کا انجام بھی فرانس جیسا ہو سکتا ہے، اس کے لئے نپولین کی تاریخ ایک مثال ہے کہ کس طرح انہوں نے واٹرلو پر آن کی آن میں فرانس کے سپر پاور ہونے کے محل کو منہدم کر ڈالا تھا، اس لئے بڑی طاقتوں خاص طور پر امریکہ کو افغانستان میں قیام امن کی طرف توجہ دینے کی ضرورت پڑ رہی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ امریکہ کے عوام کا برابر یہ دباؤ بڑھتا جا رہا ہے کہ اوباما افغانستان سے اپنی فوجوں کو واپس بلالیں، امریکہ کے بڑے شہروں میں ہر روز کہیں نہ کہیں اس طرح کے مطالبے کے لئے مظاہرہ کی خبریں ایک عام بات بن گئی ہے، اس لئے امریکہ اور اس کے اتحادی کسی نہ کسی طرح افغانستان میں ایک موہوم سا امن قائم کر کے افغانستان سے نکل بھاگنا چاہتے ہیں اس لئے کہ خود امریکہ اور اس کے اتحادی افغانستان کی اس جنگ سے بری طرح اکتا چکے ہیں، مگر یہاں سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ کے لئے ایسا کرنا آسان ہوگا؟

امریکی فوج کے ایک سابق کمانڈر ''ڈیوڈ ایم راڈریگس'' نے اپنے افغانستان سے متعلق ایک مضمون میں لکھا ہے کہ:

> ''ہم ۲۰۱۱ء کی بہار میں جنرل شیر محمد کریمی کے ساتھ سفر کر رہے تھے، اس نے کہا کہ افغانی سپاہی پوچھتے ہیں کہ ہم کب تک جی پی ایس آلات حاصل کر سکیں گے؟ میں نے کہا، تم یہ سوال مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارا ملک غریب ہے، اس میں برطانیہ یا جرمنی جیسا سیکورٹی سسٹم نہیں بنایا جاسکتا، اس لئے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو اپنے مقاصد تشکیل دیتے وقت یہ سب عوامل مدنظر رکھنے ہوں گے، ظاہر ہے کہ قندھار اور ہلمند دو بڑے شہر ہیں جو آئے دن طالبان کی وجہ سے دھماکوں سے لرزتے رہتے ہیں، اس لئے افغانستان کے عوام، افغان فوج اور پولیس سے توقع نہیں رکھتے کہ وہ مستقبل میں ان کا تحفظ کر سکے گی، گزشتہ کئی عشروں سے افغانی بھاری ہوائی حملوں اور دیگر کارروائیوں کے نتیجے میں موت کا

بھیانک منظر دیکھ دیکھ کر خوف زدہ ہیں، لاکھوں اموات دیکھ کر ہزاروں اپاہج لوگ یہ سوچتے ہیں کہ آخر کب تک یہ بربادی جاری رہے گی اور کیوں؟ امریکہ اور اس کے اتحادی فوجی محدود علاقے میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو بچانے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں، یہ وہ جنگ ہے کہ جس میں نام نہاد فاتح کو مفتوح سے کہیں زیادہ نقصان ہوگا۔''

افغانستان فوج اور افغان پولیس کو قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش میں جنرل ڈیوڈ مضمون میں مزید لکھتے ہیں کہ:

''افغانوں میں ان کی اپنی فوج اور پولیس بہت مقبول ہے۔''

حالانکہ خدشہ یہ ہے کہ امریکہ انخلا کے بعد باقی اتحادیوں کو ۲۰۱۴ء کے بعد جب بھاگنا پڑے گا، یہ عین ممکن ہے کہ افغان پولیس اور افغان فوج بھی طالبان کے ساتھ جا ملے، ان امکانات اور ان کے اثرات کا جائزہ نہ صرف پاکستان بلکہ خطے کے دیگر اہم کھلاڑیوں کو لینا ہوگا، تاکہ افغانستان میں امن کے لئے کوئی حکمت عملی وضع کی جاسکے۔

ہمارے خیال میں طالبان صرف ایک فوجی مسئلہ نہیں ہیں، طالبان کو دہشت گرد کہہ دینا تو آسان ہے لیکن ان کو ختم کر دینا اتنا آسان نہیں ہے، جتنا امریکہ اور اس کے حلیف یورپی ملکوں نے سمجھا تھا، ان کی عوامی مقبولیت کم ہونے کی بجائے بڑھی ہے، جس میں خود امریکہ اور نیٹو کی افواج کی ظالمانہ کارروائیوں کا بڑا دخل ہے، اس لئے امریکہ اور نیٹو کی قیادت کو اپنی ناکامیوں کا محاسبہ کرنا چاہئے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ظلم و جبر سے غیور پٹھانوں اور اور سچے مسلمانوں کے نہ تو حوصلے پست کئے جاسکتے ہیں اور نہ ہی انہیں ختم کیا جاسکتا ہے۔

☆.....☆.....☆

مدرسہ عمارت کا نام نہیں

مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ ''مدرسہ عمارت کا نام نہیں بلکہ استاذ، شاگرد اور کتاب کے تعلق اور رشتہ کا نام ہے۔ اگر حکومت نے گارے اور مٹی کی بنی ہوئی ان عمارتوں پر قبضہ کر لیا تو ہم درختوں کے سائے میں طلبہ کو قرآن وحدیث کی تعلیم دینا شروع کر دیں گے۔''

محدث وقت حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا کہ اگر حکومت نے آپ سے مدارس چھین لیے تو آپ کیا کریں گے؟ تو انہوں نے بغیر کسی تامل کے فرمایا کہ ''میں کسی گاؤں میں جا کر کسی بند اور ویران مسجد کو کھولوں گا، جھاڑو دوں گا، اذان اور نماز باجماعت کا اہتمام کروں گا اور اہلِ علاقہ سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے بھیجیں۔ اس طرح جو بچے آئیں گے ان تک دین کی اس امانت کو پہنچائیں گے۔''